اریحا

بیت اللحم

خلیل الرحمٰن

چند ہفتے دیارِ عرب میں

قسط نمبر ۳

مولانا سید عبداللہ کاکاخیل
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ

ہفتہ ۹ / جولائی ۱۹۶۶ء

خلیل الرحمٰن

مصطفیٰ ابوطہیر صاحب حسب وعدہ آج صبح ہوٹل میں آئے اور ان کی معیت میں ہم مدفن انبیاء خلیل الرحمٰن دیکھنے گئے۔ یہ شہر بیت المقدس کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بقول ابن بطوطہ کے " اس کا رقبہ کم مگر قدر و منزلت زیادہ، مناظر حسین و جمیل اور معنویات بڑی عجیب و غریب ہیں "

" اسرائیل کی نام نہاد حکومت قائم ہونے سے قبل خشکی کے رستہ سے جانے والے مسافر خلیل سے بئر سبع ہوکر غزہ اور قاہرہ جایا کرتے تھے۔ خلیل سے غزہ تک کی مسافت جو ساٹھ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ بس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں طے ہوجاتی تھی۔ لیکن آج جبکہ فلسطین کی ان اجزاء پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ خلیل سے غزہ جانے والے مسافر کے لئے سوائے اس کے چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس جاکر قاہرہ کے لئے ہوائی جہاز پر سوار ہو اور پورے دو گھنٹے کی پرواز کے بعد قاہرہ پہنچ کر وہاں سے بذریعہ ریل گاڑی کم ازکم آٹھ گھنٹے میں صحرا سینا کو عبور کرکے غزہ پہنچے۔ گویا کہ جو مسافت صرف ربع دینار کی اجرت سے دو گھنٹے میں طے ہوتی تھی وہ آج پچیس ۲۵ دینار اور گیارہ گھنٹے سے کم میں طے ہونا ممکن نہیں "۔ [۱]

خلیل کے باشندے دینداری، خوش خلقی اور قدامت پسندی میں مشہور ہیں۔ حرم ابراہیمی کے ان پاسبانوں نے اب تک اپنے شہر میں سینما قائم نہیں ہونے دیا ہے۔ گرجے کا اس شہر میں کہیں نام و نشان نہیں، بلکہ جہاں تک میں نے سنا اور بعض معتمد سفرناموں میں پڑھا بھی ہے خلیل دیار اردن میں وہ واحد شہر ہے جہاں سرے سے عیسائی یا کسی دوسرے غیرمسلم باشندے کا وجود ہی نہیں ہے۔

---

[۱] ملخص از " مجلۃ العربی " (کویت) اپریل ۱۹۶۴ء

دیسے مجلۃ العربی" کے نمائندہ کے حسب تصریح یہاں عیسائی باشندے موجود ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت قلیل یعنی صرف ایک سو بیس ۱۲۰ ہے۔

خلیل میں مغربی تہذیب کے آثار کم نظر آتے ہیں۔ عورتیں عموماً پردے دار ہیں، سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والی اکثر خواتین نے بھی اپنی بود و باش میں آبائی روایات کو بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ یہ تعلیم یافتہ خواتین اپنے لئے ایک خاص طرز کا لباس اختیار کر چکی ہیں، جو قدیمی بندشوں سے ایک گونہ آزاد اور جدید [illegible] ہے۔

حرم ابراہیمی شہر خلیل کے ایک نشیبی مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہؓ نیز حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی زوجات اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبور واقع ہیں۔ اہل علم کا کہنا ہے، کہ اس وقت دنیا میں انبیاء کرام کی طرف منسوب جو قبریں پائی جاتی ہیں، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے بعد ثبوت و تواتر کے اعتبار سے دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کا ہے ــــ ان قبور کے اوپر جو مسجد بنی ہوئی ہے، وہ حرم ابراہیمی کہلاتی ہے۔ اصلی قبور نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زائرین لکڑی کی ان مصنوعی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، جو مسجد کے فرش پر اصلی قبور کی نشاندھی کیلئے ان کے اوپر محاذاۃ میں بنی ہوئی ہیں ــــ سلام و دعا کے بعد حرم ابراہیمی میں بیٹھ کر میں نے قرآن مجید کی کچھ تلاوت کی۔ حسن اتفاق ہے، آج میری منزل تلاوت سورۂ حجر تھی جس میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے اور حضرت اسحاق کی ولادت باسعادت کی بشارت دینے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ موقعہ اور محل کی مناسبت سے ان آیات کی تلاوت میں آج ایک خاص کیف محسوس ہو رہا تھا ــــ ظہر کی نماز حرم ابراہیمی میں پڑھ کر ہم بیت اللحم روانہ ہو گئے اور ہمارے قلوب خلیل کی ظاہری و معنوی برکات اور باشندوں کے تدین و اخلاق سے نہایت متاثر تھے۔

قریہ حلحول ٹیکسی کے ڈرائیور سے طے ہوا تھا کہ بیت اللحم جانے کیلئے وہ قریہ حلحول کا رستہ اختیار کرے گا۔ حلحول میں حضرت یونس علیہ السلام کیطرف منسوب قبر پائی جاتی ہے جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ خادم قبر کے پاس یہ سفر نامہ موجود تھا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ ہم عربی جانتے ہیں، تو اس نے از خود کتاب اٹھا کر فر فر متعلقہ عبارت سنا دی، اس کا مقصد شاید یہ تھا کہ ہمارے دل میں اس قبر کے ثبوت سے متعلق

شبہات اگر ہوں تو وہ دور ہو جائیں۔ حالانکہ اس قسم کی یقین دہانی کے لئے ایک طالب علم کے نزدیک ابن بطوطہ کا قول کب سند بن سکتا ہے۔؟ —— بہت ہی مختصر سلام و دعا کے بعد ہم بیت اللحم روانہ ہو گئے۔

بیت اللحم تین بجے کا وقت تھا کہ ہم بیت اللحم پہنچے۔ یہاں کا مشہور قابلِ دید مقام کنیسۃ المہد ہے۔ جو تاریخی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر بنا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں، کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیارِ قدس کے سفر میں کنیسۃ القیامہ کی طرح یہ کنیسہ بھی دیکھ کر نماز پڑھنے کیلئے باہر نکلے اور یہ فرمان صادر فرمایا کہ کوئی مسلمان اس میں عبادت اور کسی قسم کا تصرف نہ کرنے پائے۔

اس کنیسہ کے جو پادری اور بطریق ہم نے دیکھے وہ زیادہ تر یونانی نسل کے ہیں، جو کافی عرصہ سے اس کنیسہ کی خدمت کیلئے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ یہ عربی بول تو لیتے ہیں مگر بہت ہی ناقص اور معمولی جسکی وجہ بظاہر رہبانیت کی یہ زندگی اور اہلِ بلاد سے اختلاط کم ہونا ہے۔ ایک پادری نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کنیسہ کی تفصیلات سے متعارف کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد اس نے اوپر کے ایک کمرے میں یہ کہہ کر ہمیں بھیجا کہ وہاں جا کر قرآن دیکھ لو۔ ہم حیران تھے کہ قرآن مجید کنیسہ میں کہاں سے آیا۔ جب کمرہ میں ہم داخل ہوئے تو وہاں انجیل کے مختلف مطبوعہ اور مخطوط نسخے نمائش کے لئے رکھے گئے تھے۔ بظاہر اس بیچارے کا یہ خیال تھا کہ ہم پاکستانی انجیل یا بائبل کے لفظ سے آشنا نہ ہوں گے۔ چنانچہ ہماری سہولت کی خاطر اور ذہنی بوجھ سے بچانے کے لئے اس نے یہ تعبیر اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر اس ظلمت کدہ میں رہ کر ہم باہر نکلے اور جامع عمر میں عصر کی نماز پڑھی۔ ہمیں چونکہ رات واپس قدس پہنچنا تھا، اس لئے بیت اللحم کے دوسرے قابلِ دید مقامات مثلاً حقل الرعاۃ، قبر راحیل، اور مغارۃ اللبن وغیرہ کو چھوڑ کر صرف کنیسۃ المہد دیکھنے پر اکتفاء کر لیا۔

—— اتوار ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء ——

اریحا آج صبح دیارِ فلسطین کے قدیم ترین تاریخی شہر اریحا کے لئے ہم نے رختِ سفر باندھا۔ رہنمائی کے لئے ابو طہیر صاحب اس سفر میں بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اریحا بیت المقدس کے شمال مشرق میں پچیس میل کے فاصلے پر بحر میت کے قریب واقع ہے۔ یہ اردن کا گرم ترین علاقہ شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اردن کے اہلِ ثروت حضرات موسم سرما گذارنے کیلئے عموماً یہاں آتے

ہیں۔ یہ شہر چھوٹا مگر بہت خوبصورت ہے۔ اس کے اطراف و جوانب میں عین سلطان، عین قرنطل اور بعض دوسرے چشمے بہنے کی وجہ سے ہر طرف شادابی ہی شادابی ہے۔ خوشبودار پھول، لمبے اور خوبصورت درخت، لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات بکثرت نظر آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل کو جس شہر میں جھک کر داخل ہونے کا حکم ملا تھا۔ وہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی شہر اریحا ہے۔

ضریح موسیٰ علیہ السلام اریحا کے قرب و جوار میں من جملہ کئی قابل دید مقامات کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیطرف منسوب قبر مبارک بھی ہے۔ جو عربی اصطلاح میں ضریح موسیٰ کہلاتی ہے۔ یہ قبر چونکہ شاہ راہ سے کافی برطرف واقع ہے، اس لئے سپیشل ٹیکسی کے علاوہ وہاں پہنچنے کیلئے سواری کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے۔ چنانچہ نصف دینار میں ٹیکسی لے کر ہم اس مبارک ضریح پر پہنچے۔ یہ آبادی سے دور پہاڑوں کے وسط میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسجد اور قبر دونوں کو ایک قلعہ نما فوجی چوکی احاطے میں لی ہوئی ہے۔ قبر اور مسجد کی درمیانی دیوار پر عربی میں یہ عبارت نقش ہے۔ کہ "یہ مقبرہ سلطان ابو الفتح بیبرس کے حکم سے ۶۶۸ھ میں جبکہ وہ صبح سے بوالپسی یہاں آیا تھا، تعمیر ہوا ہے۔"

قصر ہشام دعا و سلام سے فارغ ہو کر اسی ٹیکسی پر مزید ربع دینار دیکر ہم قصر ہشام دیکھنے گئے یہ قصر ہشام بن عبدالملک نے سردی کے ایام گذارنے کے لئے یہاں تعمیر کرایا تھا۔ یہ اریحا سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر حصے اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں، تاہم اس زمانے کے بادشاہوں کی بود و باش، زندگی کے طور طریقوں اور رفاہیت اور تنعم کے مختلف وسائل پر اس سے اب بھی کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ قصر کے بعض کمرے ہم نے ایسے دیکھے کہ ان کے فرش میں مرمر کے پتھروں کو جوڑ کر پھل دار درختوں، پرندوں، چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ایک تصویر میں شیر کو ہرن کا شکار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بقول ایک عرب کاتب کے "یہ قصر اپنے محل وقوع، انتہائی وسعت و کشادگی خاص طرز تعمیر اور آرائش و زیبائش میں تفنن کے اعتبار سے اپنے اندر ایک ایسا جامع ماحول رکھتا ہے جس میں شہری تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ دیہاتی سکون و سادگی کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے۔" ـــــ ایسے شاہی ویرانوں میں آکر دنیا کی بے ثباتی کا استحضار خوب ہوتا ہے ـــــ

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔ الآیۃ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تم کو

آ پکڑے گی۔ اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔
ساتھیوں کا اتفاق اس پر ہوا۔ کہ مذکورہ دونوں مقامات پر اکتفا کر کے واپس قدس جانا چاہیئے۔ ورنہ اریحا کے قریب دیرار میں تل سلطان، جبل تجربہ، بحرمیت، خرائب قمران اور کئی دوسرے مقامات بھی ایسے موجود تھے جن کا دیکھنا تفریح سے خالی نہ تھا۔

پیر ۱۱ر جولائی ۱۹۶۶ء

قریہ صور باھر آج دوپہر کے کھانے پر ابوطہیر صاحب نے اپنے گاؤں صور باھر میں مدعو کیا تھا۔ صور باھر ایک سرحدی گاؤں ہے، جو قدس سے دو تین میل کے فاصلے پر خلیل جانے والی سڑک پر اسرائیل کی حدود کے قریب واقع ہے۔ ابوطہیر صاحب نے گھر کی کھڑکی سے اشارہ کر کے دور کے کھیتوں میں چکر لگانے والے چند یہودی ہمیں دکھائے۔ اتنے خطرناک دشمن کے ساتھ حدود پر واقع ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کے باشندے ہمیشہ خطرہ میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق اس علاقہ میں فوج موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل ہر دو چار سال کے بعد حد بندی لائن کی تجدید کرتے ہوئے، صور باھر کی کچھ نہ کچھ زمین پر قابض ہو جاتا ہے۔
صبح سے شام تک کا وقت ہم نے اس پُرسکون دیہاتی ماحول میں گذارا اور عصر کی نماز کیلئے واپس بیت المقدس چلے آئے۔

جبل زیتون عصر کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھ کر ہم جبل زیتون پر گئے، جہاں بہت سے شہداء صالحین کی قبور کے علاوہ حضرت سلمان فارسیؓ اور رابعہ عدویہؒ کے مزارات بھی موجود ہیں۔ جبل زیتون کے جس علاقہ میں سلمان فارسی کا مزار واقع ہے۔ وہ قریہ طور کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کے متعدد تاریخی گرجے اور بعض دوسرے مقدسات بھی جبل زیتون پر واقع ہیں۔

منگل ۱۲ر جولائی ۱۹۶۶ء

بیت المقدس سے متعلق آج کا دن زیادہ تر حرم مبارک میں گذرا۔ بیت المقدس میں ہمارے قیام کا یہ آخری دن تھا۔ کل دمشق جانے کے لئے ٹیکسی میں آج سے سیٹیں ہم نے بک کرا دیں۔ اس مبارک شہر کو خیرباد کہنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ڈائری میں اختصار کے ساتھ وہ تاثرات قلمبند کر دوں جو ایک ہفتے کے دوران قیام یہاں سے متعلق میرے قلب میں پیدا ہوئے ہیں۔
بیت المقدس میں اسلامی مقدسات کے ساتھ ساتھ چونکہ عیسائی مقدسات بھی بکثرت موجود

ہیں۔ اس لیئے اس شہر میں عیسائیوں کا نسبتاً زیادہ آباد ہونا ایک طبعی امر ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے مختلف ملکوں سے بھی عیسائی بکثرت اپنے مقدس مقامات دیکھنے کے لیئے یہاں آتے رہتے ہیں۔ اس مسلم عیسائی اختلاط کی بناء پر یہاں بے پردگی اور عریانی کے مناظر نسبتاً زیادہ نظر آتے ہیں۔ زیادہ افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ حرم مبارک بھی ان عریاں مناظر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ کیونکہ مخصوص اوقات کے علاوہ غیر مسلم سیاحوں کو حرم مبارک میں داخل ہونے کی عام اجازت ہے۔ البتہ اس تفریح کے بدلے ان سے کچھ رقم وصول کی جاتی ہے۔ جس کے لئے حرم کے دروازوں پر باقاعدہ ٹکٹ ایشو ہونے کا انتظام ہے۔ عرب ممالک کے باشندہ عیسائی اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ مسلمانوں کیطرح بلا کسی پابندی کے ہر وقت حرم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ عیسائیوں کے ساتھ اس درجہ کے اختلاط کے نتیجہ میں یہاں کے بعض مسلمانوں کا اسلامی حس وشعور بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ اس کی ایک مثال میں یہ پیش کر سکتا ہوں کہ قدس کے بازاروں میں زیتون کی لکڑی کی مصنوعات کی تجارت بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ سیاح یہ چیزیں یادگار کیلئے خریدتے ہیں۔ ان مصنوعات میں کھلونوں، گلدانوں اور بہت سی دوسری چیزوں کے علاوہ صلیب اور حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے بھی فروخت ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان تاجر سے جب میں نے دریافت کیا کہ آپ صلیب وغیرہ کو جو کہ کفر کا شعار ہے، عیسائی تاجروں کیلئے چھوڑ کر دوسری چیزوں کی تجارت پر کیوں اکتفار نہیں کرتے۔؟ تو اس کا جواب یہ تھا کہ یہ تجارت کا مسئلہ ہے۔ مذہب کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔—— ویسے قدس کی سرزمین اسلامی غیرت وحمیّت سے بھرپور دل رکھنے والے مسلمانوں سے بھی خالی نہیں۔ اس اسلامی غیرت کا ایک قصہ میں نے یہ سنا کہ چند سال پیشتر جب عیسائیوں کا پوپ اردن آیا تھا تو بادشاہ نے بطور اعزاز اسکو ایک یادگاری گرجا تعمیر کرانے کیلئے قدس میں زمین کا ایک ٹکڑا دیا۔ قدس میں اگرچہ بے شمار گرجے موجود ہیں لیکن غیور مسلمانوں سے برداشت نہ ہُوا کہ ایک دشمنِ اسلام کی یادگار اس اعزاز کے ساتھ اس سرزمین پر قائم ہو۔ چنانچہ ایمان کی حرارت والوں نے بہت سے کاریگروں کو بلاکر شب بھر میں اس زمین پر مسجد تعمیر کرادی جسکا نام غالباً مسجد صلاح رکھا گیا۔ مسلمانوں کے مشتعل جذبات کا خیال رکھ کر حکومت نے اس حرکت پر کوئی مواخذہ نہ کیا۔ اور اس طریقہ سے زمین کا یہ ٹکڑا جو پوپ کی یادگار کیلئے مخصوص ہُوا تھا، اسلامی غیرت وحمیت کی یادگار بن کر رہ گیا۔——

قدس کا شہر دو قسم کا ہے۔ قدیم اور جدید۔ مقدسات سب قدیم میں واقع ہیں۔ اور یہ اردن

قدس سے مراد شہر بیت المقدس (یروشلم) ہے۔ ۱۲

(باقی صفحہ ۴۲ پر)